ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR

CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol.04 No.01 (2026)

علم کلام قدیم وجدید: تشکیل، ارتقا اور معاصر فکری تناظر

ʿIlm al-Kalām, Classical and Modern: Formation, Evolution, and Contemporary Intellectual Perspectives

ڈاکٹر محمد رضوان محمود: اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی فیصل آباد

ڈاکٹر ضیاء احمد: اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی فیصل آباد

ڈاکٹر منیر احمد: اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد

Abstract

This article examines the formation, evolution, and contemporary intellectual dimensions of ʿIlm al-Kalām (Islamic scholastic theology), tracing its development from classical (qadīm) to modern (jadīd) forms. Classical Kalām is defined through the formulations of early authorities—Imām Abū Ḥanīfah, al-Taftāzānī, al-Fārābī, al-Ghazālī, and Ibn Khaldūn—as the rational and textual defense of Islamic belief against doctrinal deviation and disbelief. The study traces five historical phases of classical Kalām: the formative period of Prophetic and Companion-era Islam; the age of political and sectarian discord; the period of codification marked by the rise of the Muʿtazilah under Abbasid patronage and the translation movement; the period of theological maturation associated with al-Ashʿarī and al-Māturīdī; and the subsequent period of commentary, stagnation, and taqlīd. Central classical debates addressed divine attributes, the createdness of the Qurʾān, faith and major sin, human free will, and legitimate leadership. The article then addresses modern Kalām, which emerged as a response to European modernity, the Renaissance, secularism, rationalism, and materialist philosophies including Darwinism and logical positivism that challenged traditional belief. It surveys the contributions of reformist theologians—Shāh Walī Allāh, Shiblī Nuʿmānī, Sir Sayyid, Muḥammad Iqbāl, Syed Ameer Ali, Abul Kalām Āzād, Rahmatullah Kairānwī, Jamāl al-Dīn al-Afghānī, and Muḥammad ʿAbduh—who reformulated Islamic theology to confront atheism, scientism, and secular political and economic ideologies. The article concludes that while modern Kalām retains the foundational concerns of its classical predecessor, it differs markedly in audience, method, and subject matter, shifting from intra-Muslim sectarian polemics toward a direct engagement with atheism and scientific materialism.

Keywords: ʿIlm al-Kalām, Islamic Scholastic Theology, Muʿtazilah, Ashʿarīyah, Māturīdīyah, Modernity, Atheism

تعارف موضوع

علم الکلام اسلامی عقائد کے عقلی و نقلی دفاع کا علم ہے، جو اپنی تشکیل و ارتقاء کے اعتبار سے قدیم و جدید دو ادوار میں منقسم ہے۔ قدیم علم الکلام کا آغاز عہدِ نبوی و صحابہ سے ہوا، دورِ فتن و اختلاف میں فروعی اختلافات نے اعتقادی فرقوں کو جنم دیا، عباسی دور میں یونانی فلسفہ کے تراجم کے سبب معتزلہ کی فلسفیانہ موشگافیاں سامنے آئیں، پھر امام اشعری و ماتریدی نے اہل سنت کے عقائد کی تدوین فرمائی، اور آخر میں دورِ شرح و جمود و تقلید آیا۔ اس دور کے بنیادی مباحث توحید، صفاتِ الٰہی، کلامِ الٰہی، ایمان و کفر، قدر و اختیار، اور امامت و خلافت جیسے مسائل پر مشتمل تھے۔ جدید علم الکلام کا آغاز یورپ کی نشاۃِ ثانیہ، سیکولرازم، عقلیت پرستی، مادیت پرستی، ڈارونزم اور منطقی پوزیٹوزم جیسے افکار کے

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

رد میں ہوا، جس میں شاہ ولی اللہ، شبلی نعمانی، اقبال، سید امیر علی، ابوالکلام آزاد، رحمت اللہ کیرانوی، افغانی اور محمد عبدہ جیسے متکلمین نے اسلامی عقائد کو جدید فلسفیانہ و سائنسی چیلنجز کے تناظر میں پیش کیا۔ زیرِ نظر مقالہ اسی قدیم و جدید علم الکلام کی تشکیل، ارتقاء اور معاصر فکری تناظر کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرتا ہے۔

علم الکلام کی تعریف:

کلام کا لغوی معنی گفتگو اور قول ہے۔ اصطلاحِ نحو میں کلام اس مکمل قول کو کہا جاتا ہے جس کے سننے سے کوئی خبر معلوم ہو۔[1]

متکلمین کی اصطلاح میں علم الکلام کی تعریف میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس حوالے سے سب سے قدیم تعریف امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کی ہے۔

"الفقہ ھو معرفۃ النفس ما یجوز لھا من الاعتقادات والعملیات وما یجب علیھا منھما ومایتعلق منھا بالاعتقادات،ھو الفقہ الاکبر،وما یتعلق بالعملیات فھو الفقہ"۔[2]

"فقہ سے مراد انسان کا ان اعتقاد و اعمال سے واقف ہونا ہے، جو اس کے لیے جائز ہیں، اور جو اس پر واجب ہیں۔ ان میں سے جو احکام اعتقاد سے متعلق ہوں، وہ "فقہِ اکبر" ہے اور جو اعمال سے متعلق ہیں وہ "فقہ" ہے۔"

امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ نے عقائد کے متعلق علم کو فقہِ اکبر کا نام دیا ہے۔ آپ علیہ الرحمہ کی اس تعریف سے علم الکلام کی اہمیت اس طرح واضح ہو گئی کہ اسے فقہ کے مقابلہ میں فقہِ اکبر فرمایا۔ کیونکہ عقائد کی درستگی کے بغیر اعمالِ صالحہ کا آخرت میں کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

فقہ کا معنی کسی شئے کا سمجھنا اور جاننا ہے۔[3] دینی عقائد و معمولات کو جاننے کو فقہ کا نام دیا جاتا ہے۔ امام اعظم علیہ الرحمہ نے دین کے احکامات کی دو طرح سے تقسیم کرتے ہوئے عقائد کو زیادہ اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور عقائد کی معلومات کو فقہ اکبر کے نام سے موسوم کیا ہے۔ جس سے عقائدِ اسلامیہ کی معرفت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مزید اس تعریف سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ فقہ اکبر علم الکلام ہی ہے۔ کیونکہ علم الکلام میں بھی ان چیزوں کو دلائل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے، جن پر یقین رکھنا مسلمان کے لیے واجب ہے۔ امام اعظم علیہ الرحمہ نے اس تعریف میں فقط عقائد کا علم حاصل کر لینے کو ہی علم الکلام کا نام دیا ہے۔ جبکہ بعد کے علماء نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ فقط عقائد کا جان لینا ہی علم الکلام نہیں ہے۔ بلکہ ان کو دلائل کی روشنی میں جاننا 'علم الکلام' ہے۔ علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمہ (1322-1390) شرح عقائدِ نسفیہ میں فرماتے ہیں:

"وسموا ما یفید معرفۃ العقائد عن ادلتھا التفصیلیۃ بالکلام"۔[4]

"یعنی وہ علم جو تفصیلی دلائل سے عقائد کی معرفت دے، وہ "کلام" ہے"۔

---

[1] ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن علی بن منظور الافریقی، لسان العرب، دار المعارف، قاھرہ، سن، ج5، ص3922

[2] احمد بن حسن البسنوی، اشارات المرام من عبارات الامام ابی حنیفۃ النعمان، بیروت، لبنان، 2007ء، ص16

[3] لویس معلوف، المنجد (مترجم)، افضل شریف پرنٹرز، لاہور، سن، ص653

[4] عبد الناصر لطیف، توضیح شرح العقائد، نظامیہ کتاب گھر، لاہور، 2013ء، ص35

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمہ کی تعریف سے واضح ہوا کہ اسلامی عقائد کو دلائل کے ساتھ جاننا 'علم الکلام' ہے۔ ان کی تعریف میں عقلی دلائل کی قید نہیں لگائی گئی بلکہ عقلی دلائل کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث سے جاننا مراد ہے۔ مشہور مسلم فلسفی ابو نصر فارابی نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

"صناعة الكلام يقتدر بها الانسان على نصرة الآراء والآفعال المحدودة التى صرح بها واضع الملة و تزييف كل ما خالفها."[5]

"یعنی علم الکلام وہ علم ہے کہ جس کے ذریعے انسان شارع ﷺ کی طرف سے بیان ہونے والے نظریات وافعال کی حمایت کرنے اور ان سے متصادم نظریات کا رد کرنے پر قادر ہو جائے"۔

علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمہ کی تعریف میں دلائل کے ثبوت کو 'علم الکلام' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جبکہ مشہور فلسفی ابو نصر فارابی نے اس علم میں ایجاب وسلب دونوں کو شامل کیا ہے۔ یعنی علم الکلام وہ علم ہے کہ جس میں عقائد کو دلائل کی روشنی میں نہ صرف ثابت کیا جاتا ہے، بلکہ اس پر وارد ہونے والے منکرین کے اعتراضات کے جوابات بھی دیے جاتے ہیں۔ گویہ علم الکلام میں عقائد کی وضاحت بھی ہے، اور حفاظت بھی۔ چنانچہ بعد کے متکلمین نے علم الکلام کی تعریف کو اسی منہج پر بیان کیا ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمہ کی کتاب "الاقتصاد فی الاعتقاد" میں ابن خلدون کے حوالے سے علم الکلام کے متعلق لکھا ہے:

"علم يتضمن الحجاج عن العقائد بالادلة العقلية والرد على المبتدعة والمنحرفين فى الاعتقادات عن مذاهب السلف و اهل السنة"[6]

"وہ علم کہ جو عقائد کے بارے میں عقلی دلائل کے ذریعے حجت قائم کرنے اور بدعتی اور سلف اور اہل سنت کے عقائد سے انحراف کرنے والوں کو جواب دینے پر مشتمل ہو۔"

ابن خلدون کی تعریف میں خاص طور پر ادلّہ عقلیہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ چونکہ ابتدائی دور میں علم الکلام کی بنیاد فقط ادلّہ نقلیہ پر تھی ، لیکن فلسفہ یونان وروم سے متاثر فرقہ معتزلہ اور باطل گروہوں کے پیدا ہونے کے سبب متکلمین نے ادلۂ عقلیہ کو بھی خصوصی اہمیت دی۔ لہٰذا علم الکلام کا موضوع عقائد پر نقلی وعقلی دلائل دینا، مخالف نقطہ نظر کا رد اور اس نقطہ نظر کے مقابلہ میں نظریات کا اثبات کرنا ہے۔ علم الکلام میں متکلمین کا منہج دو جہتوں پر مشتمل ہے:

1) ان فرقوں کے مقابل اپنے نقطہ نظر کو ثابت کرنا جو درست راہ سے بھٹکے ہوں لیکن اسلام کے دائرے میں داخل ہوں یا خود کو مسلمان کہتے ہوں۔

2) ان فرقوں کی تردید کرنا جو راہِ حق کے مخالف اور بد دین ہوں۔ اور مسلمان ہونے کا دعوی نہ کرتے ہوں۔ جیسے: ملحدین یا ہندو اور دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے۔

عبد الجبار معتزلی نے اپنی کتاب المغنی فی ابواب التوحید والعدل میں لکھا ہے:

"نقصد الى بيان ما تجب معرفته فى توحيد الله وعدله من جهة الدلالة، لينظر الناظر

---

[5] ابو نصر فارابی، احصاء العلوم، دار مکتبۃ الھلال، لبنان، 1996ء، ج1، ص13

[6] حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد غزالی، الاقتصاد فی الاعتقاد، دار المنھاج، لبنان، 2019ء، ص38

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

فی کتابنا،والتامل لہ، عارفا من ھذاالباب ما یلزمہ و یصل بہ الی العمل بما تعبد بہ"[7]

"ہم خدا کی وحدانیت اور اس کے عدل کی معرفت سے حاصل ہونے والے امور کی دلائل کے ذریعے وضاحت کرنا چاہتے ہیں، تاکہ ہماری کتاب میں غور و فکر کرنے والا شخص اسی باب سے یہ جان لے کہ اس کے لیے کیا ضروری ہے اور اس کے ذریعے وہ عبادت کی طرف مائل ہو جائے"۔

قاضی عبد الجبار نے المغنی میں علم الکلام کی تعریف میں یہی کہا ہے کہ اللہ کی ذات وصفات کو دلائل کے ساتھ جاننا تاکہ انسان دلائل کے ذریعے خدا کی ذات کو جان کر عمل کی طرف راغب ہو سکے۔ کتاب روحِ عصر میں علی عباس جلال پوری نے علم الکلام کے متعلق لکھا ہے:

"عقلی دلائل سے مذہبی عقائد کی تائید و توثیق کرنے کی کوشش کا تعلق علم الکلام (Scholasticism) سے ہے۔ جو شخص اس قسم کے استدلال سے کام لے اسے متکلم کہا جاتا ہے۔"[8]

قاضی عبد الجبار معتزلی کے نزدیک دین کو دو اعتبار سے تقسیم کیا گیا ہے اعتقاد اور عمل۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے معرفت اور طاعت۔ معرفت کو اصل شمار کیا جاتا ہے جبکہ طاعت کو فرع۔ پس جو شخص معرفت و توحید کی بات کرے گا وہ علماء علم الکلام یا علماء اصول الدین سے کہلائے گا۔ اور جو اطاعت کی بات کرے گا وہ فقہاء سے شمار کیا جائے گا۔ پس اصل موضوع علم الکلام ہے اور اس کی فرع علم الفقہ ہے۔ متکلمین نے یہ بات واضح کی ہے کہ اصول (علم الکلام) کو جاننے کے لیے ایمان کو نص کے ذریعے جاننا ضروری ہے۔ اور جن معقولات پر ہم ایمان لے کر آئے ہیں ان میں نظر و استدلال (غور و فکر) ضروری ہے۔ تاکہ اس پر ایمان میں پختگی حاصل ہو۔ اور غور و فکر کے ذریعے ہم انہیں سمجھ کر ان کا دفاع کرنے کی کوشش کریں۔[9]

ان تمام تعریفات سے متکلمین اشعریہ و معتزلہ کے گروہ کے نزدیک علم الکلام کی یہی تعریف ثابت ہوتی ہے جو جامع و مانع انداز میں ابن خلدون نے بیان کی کہ: اپنے عقائد کو نقلی و عقلی دلائل سے جان کر ان کو ثابت کرنا اور مخالفین کا منطقی انداز میں رد بلیغ کرتے ہوئے ان کے مقابلہ میں اپنا عقیدہ ظاہر کرنا "علم الکلام" کہلاتا ہے۔

علم الکلام: آغاز و ارتقاء

علم الکلام کی دو بنیادی اقسام ہیں: 1) علم الکلام قدیم 2) علم الکلام جدید۔

علم الکلام قدیم سے مراد وہ علم ہے جو ابتدائی صدیوں (دوسری صدی ہجری پانچویں صدی ہجری) میں وجود میں آیا۔ چھٹی سے تیرہویں صدی ہجری تک اس کے اصول و قوانین کا ارتقاء ہوا۔ جس میں بنیادی طور پر توحید، صفاتِ خدا، امامت و خلافت وغیرہ کے مسائل کو زیرِ بحث لایا گیا۔[10]

---

[7] ابو الحسن عبد الجبار، المغنی فی ابواب التوحید والعدل، دار المصریہ للتالیف والترجمہ، لبنان، سن، ص 7

[8] سید علی عباس، روحِ عصر، شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور، 1979ء، ص 86

[9] عبد الجبار بن احمد معتزلی، اصول الخمسہ، لجنۃ التالیف والتعریب والنشر، کویت، 1998ء، ص 14

[10] ضیاء الحسن فاروقی، فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، سن، ص 66

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

علم الکلام قدیم کو مرحلہ وار پانچ(۵)ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1. دورِ تاسیس(دورِ نبوی ﷺ وعہدِ صحابہ علیہم الرضوان)
2. دورِ فتن واختلاف(اوائلِ اختلاف)
3. دورِ تدوین وظہورِ فرق(اعتزالی دور)
4. دورِ ارتقاء(عروج کا دور)
5. دورِ شرح اور جمود و تقلید

دورِ تاسیس

یہ دور اسلام کا ابتدائی دور ہے۔جب اسلام کی تعلیمات قرآن کی صورت میں نازل ہو رہی تھیں۔اور دین مکہ و مدینہ اور مختلف علاقوں میں پھیل رہا تھا۔جب مختلف قبائل کے وفد اللہ کے نبی ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور اسلام قبول کرتے۔یہ وہ دورِ صحابہ ہے جس کا آغاز رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے ہوا۔اس دور میں عقائدِ اسلام رسول اللہ ﷺ کی زبانِ اقدس سے صحابہ کرام علیہم الرضوان تک پہنچتے۔صحابہ کرام علیہم الرضوان کی طرف سے ان کی علت معلوم نہیں کی جاتی بلکہ حکم کو مان کر اس پر عمل کیا جاتا۔اس دور میں علم الکلام کے نام سے کوئی علم بظاہر موجود نہیں تھا۔لیکن قرآن کی عقائد کے متعلق نازل ہونے والی آیات میں دنیا کی نشانیوں میں غور و فکر کے ذریعے معرفتِ الٰہی کی دعوت دی جاتی۔قرآن میں نازل ہونے والی آیات کبھی صراحتاً عقائدِ اسلام کو واضح کرتیں اور کبھی عقلی دلائل کی طرف نشاندہی کی جاتی۔اگرچہ اس دور میں عقائد کو علم الکلام کے نام سے فنِ عقیدہ کا تصور نہیں تھا۔لیکن اس عہدِ مبارک میں نازل ہونے والی قرآنی آیات آنے والے دور کے اس علم کی شاہد تھیں۔جیسے ارشادِ ربانی ہے:

"اَوَ لَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍۙ-وَّ اَنْ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْۚ-فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ"[11]

"کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اور جو جو چیز اللہ نے پیدا کی ہے اس میں غور نہیں کیا؟ اور اس بات میں کہ شاید ان کی مدت نزدیک آگئی ہو تو اس (قرآن) کے بعد اور کونسی بات پر ایمان لائیں گے؟"

دورِ فتن واختلاف

اس دور کا آغاز مسلمانوں کے سیاسی اختلاف سے ہوتا ہے۔جب اللہ کے نبی ﷺ کی وفات کے بعد ابتداءً صحابہ کرام علیہم الرضوان کا خلافت کے حقدار کے متعلق اختلاف ہوا۔لیکن بعد میں ان صحابہ کرام علیہم الرضوان کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کو قبول کر لیا گیا۔پھر حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنی کی شہادت کا واقعہ پیش آنے کے بعد مسلمان دو جماعتوں میں تقسیم ہوئے۔ایک جماعتِ شام جس کے امیر حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری جماعتِ عراق جس کے امیر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔یہ ان صحابہ کا اجتہادی اختلاف تھا۔جو خلیفۂ ثالث کے قصاص کے متعلق شروع ہوا۔[12] ان دونوں صحابہ کرام کا اختلاف اعتقادی نہیں فقہی

[11] اعراف:185

[12] ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر دمشقی، تاریخ ابن کثیر، نفیس اکیڈمی، کراچی، 1989ء، ج7، ص23

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

معاملہ میں تھا۔ جس کو حدیثِ مبارکہ میں رحمت فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اِختِلَاف امَّتِی رَحمَۃٌ"[13]

"یعنی میری امت کا (فروعی معاملات میں) اختلاف رحمت ہے"۔

دونوں صحابہ کرام علیہم الرضوان نے آپس میں صلح کے لیے دو حَکَم (ثالثی) مقرر کیے۔ اور اس تحکیم کے فیصلے سے اختلاف کی بناء پر ایک جماعت نے ان صحابہ کرام علیہم الرضوان کی (معاذ اللہ) تکفیر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ اور خلفاءِ راشدین کے طریقے سے جدا نظریات اپنا لیے۔ جبکہ خلفاءِ راشدین اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"وَعَن عمر بن الْخطاب قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: سَأَلْتُ رَبِّي عَنِ اخْتِلَافِ أَصْحَابِي مِنْ بَعْدِي فَأَوْحَى إِلَيَّ: يَا مُحَمَّدُ إِنَّ أَصْحَابَكَ عِنْدِي بِمَنْزِلَةِ النُّجُومِ فِي السَّمَاءِ بَعْضُهَا أَقْوَى مِنْ بَعْضٍ وَلِكُلٍّ نُورٌ فَمَنْ أَخَذَ بِشَيْءٍ مِمَّا هُمْ عَلَيْهِ مِنِ اخْتِلَافِهِمْ فَهُوَ عِنْدِي عَلَى هُدًى قَالَ: وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ فَبِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ"[14]

"حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میں نے اپنے رب سے اپنے بعد اپنے صحابہ کے اختلاف کے متعلق دریافت کیا تو اس نے میری طرف وحی فرمائی: محمد (ﷺ)! آپ کے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے بعض، بعض سے زیادہ قوی ہیں، اور ہر ایک کی روشنی ہے، اور جس شخص نے باوجود ان کے اختلاف کے جن پر وہ ہیں، عمل کیا تو وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، تم ان میں سے جس کی بھی اقتدا کروگے ہدایت پاجاؤ گے۔"

ان فرقوں کا یہ اختلاف سیاسی معاملات سے شروع ہو کر اعتقادی معاملات تک پہنچا۔ جس کے سبب یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کے رد میں انہی لوگوں میں سے مختلف اعتقادی فرقے بنتے چلے گئے۔ اس دور میں عقائد میں اختلاف کا آغاز ہوا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی طرف سے ان کا رد کیا گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ مناظرہ کر کے ان کے عقائدِ باطلہ کے جوابات بھی دیے۔ یہی اختلاف بعد کے ادوار میں ابھرنے والے اعتقادی و کلامی فرقوں کے لیے بنیاد بنا۔ لیکن علم الکلام کی اصطلاح اس دور میں بھی شروع نہیں ہوئی تھی۔

دورِ تدوین و ظہورِ فرق:

اس دور کا آغاز دوسری صدی ہجری میں ہوتا ہے۔ ابو العباس السفاح نے 750 عیسوی میں خلافتِ بنو امیہ کا خاتمہ کر کے خلافتِ عباسیہ کی بنیاد رکھی۔ کچھ عرصہ کے بعد السفاح کے بھائی خلیفہ منصور نے عباسی حکومت سنبھالی۔ علم الکلام کے اثرات عباسی خلیفہ منصور کے آغازِ دورِ حکومت 754 عیسوی سے شروع ہوتے ہیں۔ جب خلیفہ منصور نے بغداد کی بنیاد رکھی۔ خلیفہ منصور کو اقلیدس اور طبیعیات کی

[13] علاء الدین علی متقی بن حسام الدین، کنز العمال (مترجم)، دار الاشاعت، کراچی، 2009ء، ج10، رقم الحدیث: 286

[14] علامہ ولی الدین تبریزی، مشکوۃ المصابیح، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، سن، رقم الحدیث: 6018

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

ان کتب کو پڑھنے کا شوق تھا جو قیصر روم کے کتب خانوں میں پڑی تھیں اور ان کے پادری ان کتب کو پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ منصور نے ان کتب کو قیصر روم سے طلب کیا۔ اور منصور کے دور میں سب سے پہلے ہیئت کی کتاب کا سنسکرت سے عربی میں کیا گیا۔ اس کے علاوہ ارسطو کی منطق کی کتب کا عربی میں ترجمہ کیا گیا۔ منصور کے بیٹے مہدی کے دور میں ترجمہ کا کام رک گیا۔ لیکن مہدی کے دور میں ملحدین کو سزائیں دی جاتی تھیں اور مہدی کے حکم سے علماء نے ملحدین کی تردید میں کتابیں لکھیں۔ اسطرح اس دور میں علم الکلام کی بنیاد پڑی۔[15]

ہارون الرشید کے عہد میں کتب کا کثیر خزانہ جمع ہو گیا اور بیت الحکمۃ میں یوحنا بن ماسویہ کی نگرانی میں باقاعدہ تراجم کا آغاز کروادیا گیا۔ ایک اور مترجم فضل بن نوبخت فلسفہ و حکمت کی کتب کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا کرتا تھا۔ اسی دور میں بہت سے ہندو حکماء نے سنسکرت کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ اور اسی دور میں علم الکلام پر فلسفہ کا غلبہ ہوا۔ خلیفہ مامون کے دور میں کتب کے عربی تراجم کا کام عروج پر پہنچ گیا۔ لیکن مامون الرشید نے ایک نئے کام کا اس طرح آغاز کیا کہ پہلی بار یونانی علوم و فنون پر توجہ دی۔ کتب کے ذخیرہ کو منظم کر کے "بیت الحکمۃ" میں رکھوایا گیا۔ مامون نے قیصر روم سے یونانی علوم و فنون کی کتب منگوا کر عربی میں ترجمہ کروایا۔ مامون الرشید نے نسطوری عیسائیوں، حران کے صابیوں ہندوستان کے پنڈتوں اور مسلمان علماء کی مدد سے یونانی، سنسکرت، پہلوی اور سریانی زبانوں سے مختلف علوم و فنون کو عربی میں منتقل کرایا۔ حنین بن اسحاق نے کتب اقلیدس، جالینوس، بقراط اور ارشمیدس کی کتاب کے کچھ حصے، افلاطون کی ری پبلک اور ارسطو کی "کیٹی گوریز" کے تراجم کیے۔ اس دور میں ارسطو کی منطق، افلاطون کی اشراق، فلاطینوس کے عرفان، بقراط کی طب، آریابھٹ اور بطلیموس کی ہیئت نے عربوں کو خاص متاثر کیا۔[16] اسی دور میں معتزلہ نے عقائد میں غور و فکر کی ابتداء کی اور علم الکلام کی ترویج کا باعث بنے۔ معتزلہ نے قدر و اختیار، جمہوریت، عدل و انصاف اور آزادی نظر و فکر کو اختیار کیا۔[17]

دوسری صدی ہجری کے اوائل میں (یعنی 100ھ سے 110ھ کے درمیان) معتزلہ کا ظہور ہوا۔ جب واصل بن عطاء نے امام حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مرتکبِ گناہ کبیرہ کے حکم میں اختلاف کیا۔ کیونکہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی وفات 110ھ میں ہے اور واصل بن عطاء اور عمرو بن عبید کی تاریخ پیدائش 80ھ بیان کی جاتی ہے۔ لہٰذا انہوں نے 20 سال کی عمر سے پہلے تو اختلاف رائے کا آغاز نہیں کیا ہو گا۔[18]

یہی متکلمین کا پہلا دور ہے۔ لیکن اس دور میں علم الکلام کی باقاعدہ تدوین نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ کسی قاعدہ و قانون کے وضع کیے بغیر کہیں بھی کسی بھی مسئلہ پر بحث شروع ہو جاتی تھی۔ اس دور میں علم الکلام ارسطو کی منطقی فکر سے بھی خالی تھا۔

معتزلہ نے ایمان و کفر میں ایک اور درجہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ یہ درجہ جنت و دوزخ کے درمیان نہیں ہو گا۔ بلکہ نیک

---

[15] مسلم فلسفہ کا تاریخی ارتقاء، بک ہوم، لاہور، 2008ء، ص 11

[16] مسلم فلسفہ کا تاریخی ارتقاء، بک ہوم، لاہور، 2008ء، ص 12-15

[17] سید علی عباس، روحِ عصر، ص 87

[18] زھدی حسن جار اللہ، تاریخ معتزلہ، سعید کمپنی، کراچی، 1969ء، ص 53

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

صاحبِ نیک اعمال کو جنت میں بھیجنا اللہ کے لیے واجب قرار دیا۔اور مرتکب کبیرہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائے گا۔لیکن اس کا عذاب دیگر کفار سے کم ہو گا۔اور جو توبہ کر لے وہ جنت میں جائے گا.....۔اور یہ قدریہ کی طرح مخلوق کو اپنے افعال کا خالق مانتے تھے۔[19]معتزلہ نے عقائد میں فلسفیانہ موشگافیاں شروع کر دیں جس کے سبب لوگ ان کی طرف متوجہ ہونے لگے۔اور علماء اہلِ سنت و جماعت کو ان کے رد کے لیے اپنے عقائدِ اسلام کو عقلی دلائل سے واضح کرنا پڑا۔اور علم الکلام کا آغاز ہوا۔

دورِ ارتقاء:

معتزلہ نے ظہور کے بعد اپنے عقائد کو فلسفیانہ مباحث کی روشنی میں ظاہر کرنا شروع کیا۔ان کو ایک زمانہ تک بڑی قوت حاصل رہی۔لیکن شیخ ابوالحسن اشعری جو کہ ابو علی الجبائی معتزلی کے شاگرد تھے بعد میں اہل سنت کا عقیدہ اختیار کیا اور ابو المنصور الماتریدی نے ان کے نظریات کا رد کیا۔ابو الحسن اشعری اور ابوالمنصور ماتریدی نے ہی علم الکلام کی تدوین کا سلسلہ شرع کیا۔انہی کے ادوار سے علم الکلام کا ارتقاء ہوا۔بعد کے ادوار میں یہ مزید فلسفیانہ اور منطقی مباحث کے ساتھ ہم آہنگ ہوتا چلا گیا۔اہلِ سنت دو ادوار میں منقسم ہوئے۔ان کا پہلا دور امام اشعری علیہ الرحمہ سے لے کر امام باقلانی علیہ الرحمہ (403ھ) تک چلتا ہے۔دوسرا دور ابنِ فورک سے آغاز ہو کر علامہ شہرستانی علیہ الرحمہ پر ختم ہوتا ہے۔انہوں نے "نہایۃ الاقدام" اور "الملل والنحل" وغیرہ کتابیں لکھیں۔امام الحرمین الجوینی اور امام غزالی مشہور اشعری تھے۔[20]

ابو المنصور ماتریدی علیہ الرحمہ نے معتزلہ کے بنائے گئے اصول خمسہ کا رد اپنی کتاب "ردّ اصول الخمسہ" میں فرمایا۔معتزلہ نے اپنے اصول خمسہ میں سے پہلے اصولِ توحید میں اللہ عزوجل سے تمام صفات، رؤیت، مکان، صورت، انتقال، زوال سب صفات کی نفی کر دی۔یہ کہتے ہوئے کہ کہ اگر اللہ کے لیے الگ سے صفات مانیں تو ہر ایک صفت کو الٰہ ماننا پڑے گا، لہٰذا صفات الگ سے کوئی نہیں ہے۔بلکہ اللہ تعالی عالم بذاتہ ہے، قادر ہے بذاتہ۔ان کے رد میں آپ علیہ الرحمہ نے "کتاب التوحید" تصنیف کی۔آپ علیہ الرحمہ نے اہلِ سنت والجماعت کے عقائد جو کہ سلف صالحین کے مطابق ہیں، کی تائید کے لیے اور ان کو نقلی استدلال اور منطقی و فلسفی پہلوؤں کی روشنی میں واضح کرنے کے لیے "کتاب المقالات" اور "تاویلاتِ اہل السنہ" تحریر کی۔آپ علیہ الرحمہ نے "شرح فقہ الاکبر" کے نام سے کتاب تالیف فرمائی۔جس میں علم الکلام کی اہمیت اور اس کے اصول و قوانین کو بیان کیا گیا۔"رد تہذیب الجدل" بھی آپ علیہ الرحمہ کی علم الکلام کے موضوع پر لکھی گئی کتاب ہے۔[21]

اسی دور میں فلسفیانہ مباحث کو علم الکلام میں عروج ملا۔ایسی کتب لکھیں کہ جن میں منطق کے اصول و قوانین کو بیان کیا۔اس دور کے فلاسفرز میں یعقوب کندی، ابونصر محمد فارابی، ابو بکر محمد بن زکریا رازی، ابن مسکویہ، شیخ الرئیس بو علی سینا، ابو حامد غزالی، ابنِ باجہ،

[19] عبد الناصر لطیف، توضیح شرح العقائد، ص 41

[20] ظفر سپل، مسلم فلسفہ کا تاریخی ارتقاء، ص20

[21] ایضاً، ص20

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

ابنِ طفیل، ابنِ رشد، ابنِ خلدون شامل ہیں۔[22] ان فلاسفہ نے کفار اور ان کے باطل نظریات کے رد کے لیے علم الکلام کو سائنسی اصولوں سے متعارف کروایا۔

دورِ شرح اور جمود و تقلید:

اس دور میں علم الکلام پر کوئی نیا کام نہیں ہوا۔ پہلے مکاتبِ فکر کے نظریات کو اپنایا گیا اور مختلف کتب کی تشریحات کی گئیں۔ ماضی کے کام پر اکتفاء کیا گیا۔ اس دور کی کچھ خصوصیات ہیں جو درج ذیل ہیں:

1- اشعریہ اور ماتریدیہ کی کتب کی شروح لکھی گئیں اور اس دور میں نامور شارحین ظاہر ہوئے۔ مصر، افریقہ اور عالمِ عرب میں اشعری فکر غالب رہی اور ترکی و ہندوستان میں ماتریدی فکر غالب رہی۔ ایران میں اثنا عشرہ کا غلبہ رہا اور ہندوستان میں دو قسم کے مدارس قائم ہوئے۔ حضرت مجدد الفِ ثانی اور ان کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اس تحریک کو آگے بڑھایا۔

2- اس دور میں تصوف کا علم الکلام کے ساتھ امتزاج ہوا۔ یہ کام ایران میں صدر الدین شیرازی اور ان کے شاگردوں نے انجام دیا۔ عثمانی ترکوں نے ماتریدیہ کی حوصلہ افزائی کی۔

3- اس دور کے آخر میں مسلمان اقتصادی اعتبار سے کمزور ہوئے۔ مغربی تحریک پھیلی اس عرصہ میں عیسائیت پر بڑا کام ہوا[23]۔

علم الکلام قدیم کی بنیادی مباحث

قدیم علم الکلام میں جو اختلافی مباحث شروع ہوئیں۔ وہ صریح کفریہ عقائد پر مشتمل نہیں تھیں۔ لیکن اشاعرہ و ماتریدیہ کے عقائد کے خلاف نصوصِ قطعیہ کی عقلی تاویلات پر مشتمل تھے۔ یعنی قدیم علم الکلام میں عقل کو نقل پر ترجیح دی گئی۔ اس طرح کہ نصوصِ قطعیہ میں عقل کے مطابق تاویلات کی جاتی۔ اور ظنی نصوص کو پسِ پشت ڈال دیا جاتا۔ یہ مباحث خوارج، شیعہ، مرجئہ، معتزلہ، جہمیہ اور اشاعرہ و ماتریدیہ کے اختلاف کے سبب وجود میں آئیں۔ سب سے پہلے عقیدہ اشاعرہ و ماتریدیہ کے خلاف مرتکبِ کبیرہ کے ایمان و کفر کے متعلق بحث شروع ہوئی۔ قدیم زمانہ میں اشاعرہ و ماتریدیہ کے ساتھ فرقوں کا جن مسائل میں اختلاف رہا وہ اس نوعیت کے تھے کہ:

1) آخرت میں رؤیت باری تعالیٰ ممکن ہے یا نہیں؟
2) اللہ کی ذات اور صفات کا باہمی تعلق کیا ہے؟
3) قرآن اللہ تعالیٰ کی صفت ہے یا مخلوق؟
4) کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے کوئی مسلمان ایمان کے دائرے سے نکل جاتا ہے یا نہیں؟
5) نبی اکرم ﷺ کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد آپ ﷺ کا نیابت امام کے حوالے سے ہو گی یا خلافت کے

[22] ایضاً، ص62-89

[23] ضیاء الحسن فاروقی، فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید، ص94-97

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

حوالے سے؟

6) انسان اپنے اعمال میں خود مختار ہے یا مجبورِ محض؟

7) تکلیف مالایطاق ممکن ہے یا نہیں؟

8) ایمان میں کمی وزیادتی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

9) اعمال کا تعلق ایمان سے ہے یا نہیں؟

10) ایمان قول و عمل کا نام ہے یا فقط تصدیق کا؟

11) گناہ گار امامت (حکومت) کا حقدار ہے یا نہیں؟

علم الکلام جدید

علم الکلام جدید وہ علم ہے کہ "جس میں دین کو تاریخی، اقتصادی، علمی اور فکری ہر حیثیت سے آنے والے چیلنجز کے تناظر میں جانچا جاتا ہے اور مغربی تہذیب کے "خدا" سے متعلق اعتراضات کا جواب دیا جاتا ہے۔"[24]

وہ نئے افکار جن کا آغاز یورپ کی نشاۃِ ثانیہ کے ساتھ تیرہویں صدی ہجری سے ہوا۔ جب مغربی تہذیب غالب آ گئی مسلمانوں سے قیادت چلی گئی۔ مغربی تہذیب نے سیاسی و معاشرتی میدان میں غلبہ حاصل کر لیا۔ مغربی فوج دنیا پر غالب آ گئی تو عالمِ اسلام میں اسلامی تہذیب کو دوبارہ بحال کرنے کے لیے مسلم علماء نے مغربی جدید افکار کے رد کے لیے علم الکلام جدید کو تشکیل دیا۔ جس میں اسلامی عقائد کو عصرِ حاضر کے فلسفیانہ، سائنسی اور سماجی مسائل کے تناظر میں بیان کیا گیا۔

جدیدیت کا آغاز وارتقاء

- چودھویں صدی عیسوی میں جب ایک طرف مشرق میں علم الکلام کا آغاز ہوا مسلمانوں نے یونان اور روم اور مختلف فلسفہ کی کتب کا عربی میں ترجمہ کیا۔[25] اس کے کچھ عرصہ کے بعد مغرب کے لوگوں نے اپنے تاریک دور کو ختم کرنے کے لیے بادشاہوں اور پادریوں کی غلامی سے آزادی کے لیے مختلف علوم و فنون پر مشتمل مسلمانوں کی کتب کا انگریزی میں ترجمہ کرنا شروع کر دیا۔ اور مسلمان اپنے قدیم عروج پر فخر کرتے رہے اور ترقی کے لیے نئے علوم اور ان میں جدت کا انتظام نہ کیا اور غفلت کا شکار رہے۔
- اسی دوران 1453ء میں مغرب نے مسلمانوں کے اسلامی عقائد کے خلاف اپنے فلسفیانہ افکار کی ترویج شروع کر دی۔ جب مسلمانوں نے قسطنطنیہ فتح کیا تو فلسفہ کے ماہرین نے یورپ میں یونانی علوم کو سائنس کے ساتھ ہم آہنگ کر کے ترویج دی۔ یہ "نشاۃ ثانیہ" کا دور بھی کہلاتا ہے۔[26] اسلئے کہ اس دور میں ہزاروں سال سے انحطاط اور مسلمانوں کے افکار و اثرات سے مغلوب مغربی تہذیب نے اپنے افکار کا آغاز کیا۔ اور اسلام کے مقابلہ میں جدیدت کا تصور پیش کیا۔ ان کا فلسفہ یونان و روم سے ہم آہنگ تھا لیکن انہوں نے فلسفہ

[24] ضیاء الحسن فاروقی، فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید، ص68

[25] ڈاکٹر سفر الحوالی، سیکولزم (مترجم)، مکتب، لاہور، سن، ص135

[26] حسن عسکری، جدیدیت، ادارہ فروغِ اسلام، لاہور، 1997ء، ص39

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

کو سائنس کے تناظر میں پیش کیا۔ انہوں نے مادی ترقی کے نئے مظاہر و مناظر پیش کیے اور جدید فلسفہ متعارف کروایا۔ ایک نئی علمیت وجود میں آئی اور قدیم سائنس کی جگہ جدید سوشل سائنسز نے لے لی، جس کے نتیجے میں جدید علم الکلام کا آغاز ہوا۔ روحانیت کی جگہ مادیت اور وحی والہام کی جگہ فلسفہ کو اہمیت دی گئی۔

- اس دور میں یورپ نے تہذیب اسلامی کو ختم کرنے کے لیے اسلام کے خلاف انسانی عقل پر مبنی اعتقادات و افکار کو جنم دیا؛ جن کا مقصد دنیا میں الہٰ واحد کی حاکمیت کو ختم کر کے انسان کی حکومت نافذ کرنا تھا۔ کیونکہ مغربی نقطہ نظر میں سب سے اہم انسان ہے دنیا میں عیش و عشرت اس کا حق ہے اور اپنے کسی عمل کا یہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں بلکل آزاد اور مطلق العنان ہے۔[27] اس دور میں سیاسی اور معاشرتی معاملات میں دینی تعلیمات پر عمل کرنے کا انکار کر دیا گیا۔ اور "سیکولر" تحریک کا آغاز ہوا۔
- پندرہویں صدی سے سولہویں صدی میں مارٹن لوتھر نے "انفرادیت پسندی" کا نظریہ پیش کیا جو تمام مغربی گمراہیوں کی بنیاد ہے۔[28] اس نے کہا کہ انسان کو دینی معاملات میں انفرادی اعتبار سے خود مختاری حاصل ہے۔ وہ خود مذاہب کی کتابیں پڑھ کر ان کی اپنی خواہش کے مطابق تشریح کر سکتا ہے۔ اس دور میں انسان کی انفرادی زندگی میں بھی خدا کی اطاعت کو ختم کر کے اس کی مرضی کو شامل کرنے کا تصور دیا گیا۔
- سترہویں صدی کے وسط سے "عقلیت پرستی" کا دور شروع ہوتا ہے۔ یہ دور اٹھارویں صدی کے وسط تک رہا۔ راجر بیکن نے مطالعۂ فطرت کے قوانین وضع کیے اور انسان کے وجود کو عقل کے ساتھ مربوط کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ: "فرانس نے خدا کے خلاف سب سے بڑا گناہ کیا' وہ یہ ہے کہ ڈیکارٹ کو پیدا کیا"۔[29] اس دور میں نیوٹن کے کششِ ثقل کا قانون واضح کر کے یہ نظریہ دیا کہ: اگر انسان عقل کے ذریعے کائنات کے ان قوانین کو دریافت کرلے جن کے تحت یہ وجود میں آئی ہے تو یہ فطرت کو فتح کرلے گا"۔ اس نظریہ کے بعد خدا کے وجود کی ضرورت نہ رہی۔
- اٹھارہویں صدی میں ایک ذہنی خدا دریافت کیا گیا۔ یعنی خدا کو پہچاننے کے لیے وحی کی ضرورت نہیں ہے عقل کے ذریعے اس تک پہنچا جا سکتا ہے۔ اسی فکر سے راجہ رام موہن نے برہمو سماج کی بنیاد ڈالی۔[30] اس دور میں مذہب کی جگہ عقل کو ترجیح دی گئی اور خدا کی جگہ معاشرے کو کہ فرد کا ہر قول و فعل و عمل معاشرے کا پابند ہو گا۔
- انیسویں صدی میں معاشرے کی بالا دستی کے خلاف رد عمل کے نتیجے میں فرد کی حاکمیت قائم کی گئی۔ اس میں غلو کے سبب معاشرہ کو فرد کا تابع کر دیا گیا۔ لیکن بیسویں صدی میں اشتراکی نظام کے تحت معاشرہ کو دوبارہ خدا مانا جانے لگا۔

ان افکار نے علم الکلام قدیم کی مباحث کو جدید ذہن کو مطمئن کرنے کے لیے بے معنی کر دیا۔ "ڈارونزم"، "مادہ پرستی"، "منطقی

---

[27] ڈاکٹر سفر الحوالی، سیکولزم (مترجم)، ص384

[28] ایضاً، ص444

[29] مولانا محمد عیسی منصوری، مغرب اور عالمِ اسلام کی فکری و تہذیبی کشمکش، ورلڈ اسلامک فورم، لندن، 2000ء، ص22

[30] حسن عسکری، جدیدیت، ص56

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

پوزیٹوزم" جیسے نظریات نے خدا کے انکار اور مغربی استعمار کے ساتھ آنے والے تعلیمی نظام نے جدید ذہن کو خدا کے بارے میں شک میں مبتلا کر دیا۔ لہٰذا ان تمام افکار کی کشمکش کے سبب انیسویں صدی میں مسلم علماء نے علم الکلام جدید کا آغاز کیا۔ اور ان مغربی افکار کے مقابلہ میں ایسے عقلی و نقلی دلائل پیش کیے جو یورپی عقل پرستی کا رد کرتے ہیں۔ علمِ الکلامِ جدید کا مقصد محض روایتی عقائد کی تکرار نہیں بلکہ جدید ذہن کے سوالات کو سمجھ کر، معقول اور مدلّل انداز میں اسلامی عقائد کی توضیح و دفاع ہے۔ علم الکلام جدید کی مباحث قدیم علم الکلام کی بنیادوں پر مبنی ہیں لیکن ان میں اعتراضات و انکار کی جہت مختلف ہے۔

کلامی مکاتبِ فکر اور شخصیات

جدید مغربی افکار کے خدا کے متعلق چیلنجز کا رد کرنے اور اسلام کی تشکیلِ نو کے لیے مختلف خطوں میں متکلمین نے کتب تصنیف کیں۔ اور نئی نوجوان نسل کو خدا کے بارے میں تشکیک و انکار سے روکنے اور خدا کی معرفت کی طرف مائل کیا۔ اس دور میں ان مسائل سے بحث کی گئی جو انسانی اجتھاد سے بالاتر ہیں۔ عیسائیت میں عقیدہ تثلیث، وحی کے انکار، کائنات کے مادہ سے وجود میں آنے وغیرہ مسائل کو زیرِ بحث لایا گیا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

ہندوستان میں علم الکلام کی نشاۃِ ثانیہ مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے ذریعے ہوئی۔ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے براہِ راست علم الکلام پر کوئی کتاب نہیں لکھی۔ لیکن ان کی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" علم الکلام کی بہترین مثال ہے۔[31] جس میں انہوں نے حکمتِ دین اور وحی کی ضرورت، عمرانیات اور معاشرت، عقل و نقل (وحی) کی ہم آہنگی، آخرت، انسانی فطرت میں راحانیت کا تصور اور خدا کے انکار کے سبب امت کے زوال پر بحث کی ہے۔

علامہ شبلی نعمانی

انہوں نے علم الکلام کی ضرورت کے پیشِ نظر دو کتابیں لکھیں۔ جو "تاریخ علم الکلام" اور "علم الکلام اور الکلام" کے نام سے تھیں۔[32] اس کتاب میں علم الکلام کی تاریخ اور اس پر کام کرنے والے مکاتبِ فکر اور علم الکلام کی قدیم اور جدید نظریات کو بیان کیا گیا ہے۔ یونانی فلسفہ اور ملاحدہ کے رد پر بحث کی گئی ہے۔

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال

ڈاکٹر اقبال نے نظریہ ارتقاء پر بہت لکھا۔ ان کے عہد میں مذہب کی حقیقت کی تفہیم کے لیے مذہبی روایات کا تصور تھا۔ انہوں نے مذہبی رجحان اور صوفیاءِ اسلام کے زیرِ اثر دینی فکر کی تشکیل کا کام کیا۔[33] انہوں نے کتاب "تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ" تحریر کی۔ جس میں انہوں نے ثابت کیا کہ اسلام کے بنیادی عقائد جدید دور کے سائنسی حقائق سے متصادم نہیں ہیں۔

---

[31] ضیاء الحسن فاروقی، فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید، ص94

[32] ایضاً، ص92

[33] ضیاء الحسن فاروقی، فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید، ص95

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

1) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جدید مغربی افکار، الحاد، سیکولرازم، اسلام اور جدید تہذیب کے فکری مباحث پر لکھا، خاص طور پر اسلام اور جدید معاشی نظریات، تفہیمات، تنقیحات وغیرہ ان کا اہم کام ہے۔

2) مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے قرآن، عقائد، اسلامی فکر اور جدید فکری مسائل کو اپنی کتب کا موضوع بنایا۔

3) سید سلیمان ندویؒ نے سیرت، اسلامی عقائد، مستشرقین اور جدید فکری اعتراضات پر کام کیا۔

4) ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی کتب کے مرکزی موضوعات اسلامی قانون، وحی، سیرت، اسلامی ریاست اور جدید علمی مباحث ہیں۔

5) ڈاکٹر فضل الرحمن اگرچہ ان کا بیشتر علمی کام انگریزی میں ہے، اردو میں بھی ان کے افکار پر وسیع علمی کام ہوا ہے؛ جدید اسلامی فکر اور قرآن فہمی کے حوالے سے آپ معروف ہیں۔

6) سید امیر علی نے "روحِ اسلام" کے نام سے کتاب لکھی۔ جس میں عقلیت پرستی اور فلسفہ جدید پر بحث کی گئی ہے۔

7) سلیمان ندوی نے شبلی نعمانی کی کتاب "الکلام" پر حاشیہ لکھ کر اسے مزید جدید دور کے تقاضے کے مطابق ترتیب دیا۔

8) رحمت اللہ کیرانوی نے مسیحیت کے نظریات، بائبل میں تحریف، تثلیث کی تردید اور قرآن کی حقانیت کے بارے میں کتاب "اظہار الحق" تصنیف کی۔

9) علامہ عبد الباری نے اس وقت کے سائنسی فلسفے کے مغربی ماہرین کے اعترافِ عجز کو نقل کرتے ہوئے "مذہب اور سائنس" کے نام سے کتاب تصنیف کی۔

10) علامہ ابوالکلام آزاد نے عقائد کے عقلی دلائل پر مشتمل تفسیر "ترجمان القرآن" اور کلامی نکات پر مشتمل کتاب "تذکرہ" تحریر کی۔ ان کی کتب میں موجودہ فلسفہ اور سائنس کی روشنی میں اسلامی عقائد کی حقانیت کو اس طرح واضح کیا گیا کہ کوئی جدید نظریہ اس کا رد نہ کر سکا۔

11) علامہ افغانی نے مادی افکار کے رد میں "الرد علی الدھریہ" لکھی۔

12) محمد عبدہ نے مستشرقین کی تردید میں "الاسلام والنصرانیہ" تحریر کی۔

علم الکلام جدید کی بنیادی مباحث

علم الکلام جدید کے افکار قدیم نظریات سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن انہیں جدید فکری اور فلسفیانہ نظریات کے تناظر میں بیان کیا جاتا ہے۔ علم الکلام جدید میں درج ذیل الحادی نظریات کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے:

انسان کو نفع و نقصان کے لیے عقل دی گئی ہے لہٰذا مذہب کی ضرورت کیوں ہے؟

1) وحی اور عقل کا کیا تعلق ہے؟

2) سائنس اور مذہب کا آپس میں کیا ربط ہے؟

3) انسان مسلسل ارتقاء و ترقی کی طرف بڑھ رہا ہے تو انبیاء کی کیا ضرورت ہے؟

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

4) انسان کے لیے کسی ایک مذہب کی پابندی کیوں ضروری ہے؟

5) اور سب اہم سوال یہ کہ خدا کا وجود ہے یا نہیں؟

6) کائنات خود بخود بنی یا اسے کسی نے بنایا؟

7) مسئلہِ شر کا کیا جواب ہے؟

8) زندگی اور موت کے بعد کے مراحل (برزخ اور آخرت) کی عقلی و سائنسی تفہیم کیسے کی جائے؟

مذکورہ سوالات کے نتیجہ میں مغربی دنیا میں کئی افکار نے جنم لیا جو معاشی، معاشرتی اور سیاسی بنیادوں پر مبنی ہیں۔ انہوں نے اسلام کے مقابل ایسے نظریات فراہم کیے جو عقل و خواہشِ نفس پر مبنی ہیں:

1) اسلام کے معاشی اصولوں کے مقابلے میں اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام کو ترویج دی گئی جس کی بنیاد سود پر ہے۔ جبکہ اسلام سود کی نفی کرتا ہے۔ قرآن میں ہے:

"وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا"[34]

"اللہ نے خرید و فروخت کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔"

2) معاشرتی نظام میں اسلام کے تقوی کے خلاف "انفرادیت" اور "مادیت پرستی" کو فروغ دیا گیا۔ عزت دار ہونے کی بنیاد مال و دولت کی کثرت پر رکھی گئی۔ قومیت پرستی کا تصور پیش کیا گیا۔

3) سیاسی نظریے میں اللہ عزوجل کے احکام، وحی اور قرآن کے تصورات کی نفی کر کے انسان کی خواہشات اور عقل کو ترجیح دیتے ہوئے جمہوری نظام قائم کیا گیا۔

علم الکلام کا بنیادی مقصد ہر دور میں عقائدِ اسلامیہ کا عقلی دفاع اور ان کی تشریح رہا ہے۔ تاہم، وقت کے ساتھ ساتھ چیلنجز بدلنے کی وجہ سے قدیم اور جدید علم الکلام میں واضح فرق پیدا ہوا ہے۔ یہ فرق بنیادی طور پر مخاطبین، طریقہِ استدلال اور موضوعات میں ہے۔ علم الکلام قدیم میں یونانی فلسفہ اور اسلامی فرقوں (جیسے معتزلہ، خوارج) سے اختلاف تھا۔ امام غزالی علیہ الرحمہ کی کتاب "تہافۃ الفلاسفہ" اس دور کی ایک بہترین مثال ہے۔ انہوں نے یونانی مابعد الطبیعیات کے ان دعوؤں کا رد کیا جو اسلامی عقائد سے متصادم تھے۔

جبکہ علم الکلام جدید میں براہِ راست الحاد، مادیت پرستی، نیچرلزم اور سائنسی شکوک و شبہات پر بحث کی جاتی ہے۔ اس کا سب سے بڑا چیلنج "ردِ الحاد" ہے۔ اس کا تعلق اسلام کے منکرین سے ہے۔ جدید دور میں استدلال کا انداز بدل گیا ہے۔ اب صرف اثباتی دلائل کافی نہیں سمجھے جاتے، بلکہ الحاد کو باطل ثابت کرنے کے لیے عقلی دلائل کی ضرورت پر زور دیا جاتا ہے۔ تاکہ مادی نظریات کے تضادات کو ختم کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ جدید کلام میں سائنسی دریافتوں کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں انسان کی اپنی ذات کے وجود اور کائنات کے مشاہدے کو ملا کر ایک ایسا جامع استدلال پیش کیا جاتا ہے۔ جس سے عقلِ انسانی مطمئن ہوتی ہے۔

---

[34] البقرۃ:275